⊙ ڈاکٹر سبینہ اویس

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

⊙⊙ ڈاکٹر محمد افضال بٹ

صدر، شعبہ اُردو، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

احمد ندیم قاسمی کی تنقید کے فکری زاویے

Abstract:

Ahmad Nadeem Qasmi was one of the greatest names in Urdu literature. He had great contributions in fiction writing, column writing and criticism in Urdu literature. He was also considered a great personality who set precedents in critical literature. He showed importance of ideological principles in Urdu literature. He had very deep vision regarding literary ideologies and critical thinking. He described Allama's work in MAANI KI TALASH in detail. He published six literary collections in a period of twenty years which also included speeches and processions. He also got many publications in very renowned literary journals and produced many critical reviews in Urdu literature. He highlighted writer's hegemony, carelessness, national issues, nation's philosophical mental capabilities. His articles are the result of thorough study and critical thinking which greatly inspired their readers. These literary works reflect untiring work and utmost seriousness of the writer. Ahmad Nadeem Qasmi was appreciated across the board due to his deep critical thinking and outstanding literary work. He also wrote about different genres in Urdu literature and presented his views related to various social and progressive movements. He took up many important questions regarding critical ideologies and wrote answers to many questions in a very strong way. This article

focuses on ideological aspects of critical writings of Qasmi.

Keywords:

Qasmi, Criticism, Ideology , MANI , TALASH , Critical

اُردو تنقید کا آغاز اگرچہ شاعری کی کتب، تذکروں سے ہوا۔ سر سیّد کے دور میں انگریزی علوم کی پیش قدمی سے تنقید کو ایک نئی سمت دِکھائی دی جس نے پورے ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لیلیا۔ دیگر اصنافِ سخن کے مانند تنقید بھی صنفِ اَدب کی حیثیت سے ہمارے ہاں مغرب سے آئی۔ اگر کوئی فن پارہ اچھا لگتا ہے تو ہم اس کو محسوس کر سکتے ہیں لیکن اس کے معائب و محاسن سے قاری کو آگاہ کرنا تنقید کہلاتا ہے۔ اس طرح تنقید اَدب میں نئے موضوعات کا اضافہ کرتی ہے۔ اُردُو زبان و ادب کی تاریخ کا ہر دور تحقیق و تنقید کے نئے پہلوؤں سے روشناس کروانے میں اپنا کِردار ادا کرتا ہے۔

احمد ندیم قاسمی کا شمار اُردو اَدب کے اُن معروف ترقی پسند ادیبوں میں ہوتا ہے جنھوں نے اَدبی تنقید اور اس کے اُصول و نظریات کی اہمیت کو واضح کیا۔ وہ اس خیال کی تائید کرتے ہیں کہ نقاد کو ذاتی سوچ بچار سے کام لے کر زندگی و اَدب کے متعلق موقف اختیار کرنا چاہیے۔ قاسمی نے اپنی تنقیدی کتب اَدب اور تعلیم کے رشتے، پس الفاظ، تہذیب و فن، ثقافت کیا ہے، علامہ محمد اقبال اور معنی کی تلاش میں ادب کے اُصول و نظریات سے لے کر تنقیدی نظریات کو مفصل انداز میں بیان کیا۔ ۱۹۷۴ء سے ۲۰۰۴ء تک تیس برس میں طویل و مختصر مضامین پر مشتمل چھے مجموعے شائع ہوئے ان میں خطبات و تقاریر بھی شامل ہیں اور مختلف قومی اور بین الاقوامی سطح پر سیمینار اور کانفرنسوں میں پڑھے جانے والے مقالات بھی۔ علاوہ ازیں متفرق مضامین مختلف رسائل و جرائد کی زینت بنتے رہے۔ اگرچہ قاسمی کی وجہ شہرت شاعری، کالم نویسی اور افسانہ نگاری ہے لیکن انھوں نے اپنے افکار و خیالات کا اظہار تنقید کی صورت میں بھی کیا۔ اپنی تنقیدی کتاب تہذیب و فن میں لکھتے ہیں:

> ''مجھے باقاعدہ تنقید نگار ہونے کا دعویٰ نہیں۔ ان مضامین کا مطالعہ اس نقطہ نظر سے مفید رہے گا کہ
> یہ ایک تخلیقی فن کار کے تاثرات ہیں۔''(۱)

تنقید کے موضوع پر اُن کی کتابیں مختلف ذیلی و ضمنی ابواب میں تقسیم ہیں جو قدیم و جدید معلومات سے قارئین کو آگاہ کرتی ہیں۔ اُنھوں نے معاشرتی برائیوں، ادیبوں کے منفی رویوں، اہلِ قلم کی بے حسی، قوم کے نفسیاتی پہلوؤں کلچر، تہذیب، لسانی مسائل، انسان دوستی، حسن و خیر کی خوبیوں کے ساتھ کلاسیکی و جدید شخصیات مثلاً غالب، اقبال، قرۃ العین حیدر کے فن پر بھی اظہارِ خیال کیا۔ ان کے مضامین گہرے غور و فکر کا نتیجہ ہیں اور قارئینِ ادب کو یہ باور کرواتے ہیں کہ قاسمی کی ناقدانہ حیثیت بھی اہمیت کی حامل ہے ان تحریروں میں عِلم، گہری فکر، گہرے مطالعہ، محنت، لگن، سنجیدگی اور توازن کے آثار نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔ انہی اوصاف کے پیشِ نظر ڈاکٹر انیس ناگی انھیں بحیثیت نقاد سراہتے ہیں۔ اُنھوں نے اگرچہ مختلف اصاوف، شاعروں اور ادیبوں پر قابلِ قدر مضامین لکھ کر اِظہارِ خیال کیا وہاں مختلف اصنافِ سخن اور ادبی و فنی مسائل اور مختلف تحریکوں پر بھی خیال افروز تحریریں پیش کیں۔ انھوں نے اصولِ ادب سے لے کر تنقیدی نظریات تک بحث کی، متفرق نکات اٹھائے اور کئی تشنہ سوالات کے جواب مدلل انداز میں دیے۔

قاسمی ترقی پسند تحریک کے سرگرم رُکن، ادب اور زندگی کے فن پر ایقان رکھنے والے ادیب تھے۔ ترقی پسند تحریک نے ادب کو رومانیت سے نکال کر عصری شعور سے آگہی عطا کی۔ ان کے اوائل شباب میں ترقی پسند تحریک کا ہی دور دورہ تھا۔ اس لیے وُہ تنقید میں ترقی پسندانہ رویہ بھی اپناتے ہیں اور ماحول یا روحِ عصر کی بات کرتے ہوئے اپنے تاثرات و خیالات کا اظہار بھی بے باکی سے کرتے ہیں۔ اُن کی تنقید میں فکر وفن، اخلاقیات، جمالیات، ثقافت و اِقدار کے تمام زاویے اور مشاہدات و تجربات کو مدلل انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ قدیم و جدید کی قدر شناسی کے ساتھ ساتھ نظریاتی و معاشرتی اُمور سے بھی اعتنا نہیں کیا۔ اگر چہ اُن کی تنقیدی آرا کو بہ نظرِ استحسان دیکھا گیا۔ انھی تنقیدی مضامین کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''ایک تخلیق کار، ادب وفن اور زِندگی کے گوناگوں مسائل کے بارے میں سوچتا ضرور ہے۔ میرے مضامین انھی سوچوں کا اظہار ہیں۔ جب بھی کسی مسئلے کی شدت کا احساس ہوا میں نے اپنی سوچوں کا اِظہار ضروری سمجھا۔ ان مضامین کو ایک تخلیق کار کی بالواسطہ خود تنقیدی داستان بھی کہا جا سکتا ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ کسی بھی مقام پر نظریاتی اختلاف کے اِظہار میں اتنی شدت یا تلخی پیدا نہ ہو کہ کسی کو شکایت کا موقع ملے۔''(۲)

قاسمی ان تنقیدی مضامین پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے مہذب اور شائستہ لہجہ اختیار کرتے ہیں۔ اس سے ایک تو ناقد کی شخصیت و مزاج کے ساتھ ساتھ مقصد سے فہم و فراست کو بھی ناگزیر سمجھتے ہیں کہ اس سے ادب کا عام قاری بھی کسی مرحلے پر گمراہی کا شکار نہیں ہوتا۔ قاسمی ایسے تخلیقی ادب کے خواہش مند تھے جو انسان دوستی، محبت و پیار کو فروغ دے۔ جہاں محنت کش کو اس کا حق ملے۔ اس کی محنت کا صلہ ملے۔ وہ ایسے انقلاب کے خواہش مند تھے جہاں محنت کش طبقہ بیدار ہو کر جاگیرداروں، سرمایہ داروں کے خلاف آواز بھی بلند کرے اور ان سے اپنا حق بھی وصول کرے۔

تنقید ادب وفن پارے میں رابطے کا کام کرتی ہے۔ قاسمی کو تنقید کے اس زاویہ نظر سے اختلاف ہے جس میں کسی بڑے شاعر کے کلام کے پسندیدہ حصے کو نمایاں کیا جائے جب کہ ناپسندیدہ حصے کو ماضی کے ملبے میں ملا دیا جائے۔ یہ روش ادبی و تنقیدی اُصولوں کے خلاف ہے اس سے نہ صرف کسی شاعر کے کلام کے ناپسندیدہ حصّے ماضی کے ملبے میں چھپ جاتے ہیں بل کہ شاعر کی شاعرانہ عظمت بھی صحیح طور پر جلوہ گر نہیں ہوتی اس طرح ادب کے قارئین سے ادیب و شاعر کے فکر وفن کو مخفی رکھا جاتا ہے۔ قاسمی کے نزدیک اس کی وجہ محض یہ ہے کہ ہماری تنقید لکیر کی فقیر ہے۔ قاسمی تعصب اور تنگ نظری کے مخالف ہیں۔ تنقید کے متعلق اُن کے خیالات قابلِ تحسین ہیں۔ واضح انداز میں لکھتے ہیں:

''تنقید انتقامی جذبے کے تحت یا نفرت کے احساس کے ساتھ لکھی جائے تو تنقید نہیں رہتی۔ تنقیص بن جاتی ہے اور جب مخلص لوگوں کی سچ مچ اَدب یا معاشرے یا حکومت میں کوئی چیز کھٹکتی ہے تو وہ احتیاط اور اعتدال کے تحت لگی لپٹی نہیں اُٹھا رکھتے بل کہ صاف طور پر اس خامی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔''(۳)

قاسمی کی تنقید قاری سے براہِ راست متاثر ہو کر اس کے احساس اور جذبے کو مکمل گرفت میں لے لیتی ہے بلاشبہ

ان کا مقصد انسان کی سوچ کے دھارے کا رُخ موڑنا ہے اگر چہ قاسمی اپنی رائے کا اظہار دوٹوک انداز میں بے تکلفی سے کرتے ہیں۔اصابت رائے کے مالک ہیں۔

کلچر کسی گروہ، طبقہ یا قوم کے مخصوص طرزِ زِندگی کا نام ہے۔کلچر انسانی وجود، اس کے تقاضوں، رہن سہن، افراد کی معاشرت سے پیدا ہوتا ہے۔قومی کلچر کے ذریعے ہی قومی خدّ وخال کو اُبھار کر ایسے ادارے وجود میں لائے جا سکتے ہیں جو یک جہتی کے عمل کو تیز تر کریں اور شعوری طور پر تخلیقی قوتیں،نشو ونما پا سکیں۔قومی کلچر میں وسعت و گہرائی، انسانی رِشتوں، اُمنگوں اور تفکرات سے آتی ہے۔قاسمی کے نزدیک قومی تہذیب میں ہی قومی وجود کی اہمیت انسانی جسم میں چہرے کی ہے جس طرح ہر شخص اپنے چہرے خدو خال اور قد وقامت سے پہچانا جاتا ہے اس طرح لوگوں کی شناخت تہذیب وکلچر سے ہوتی ہے۔قاسمی قومی تہذیب کے متعلق اپنے خیالات کی صراحت کے بعد کلچر کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ’’جس قوم کو اپنے کلچر کا شعور نہ ہو، وہ روحانی طور پر منتشر رہے گی۔قوم کی اِنفرادیت اس کے اِنفرادی کلچر میں پوشیدہ ہوتی ہے اور قومی اِنفرادیت کے مکمل اور غیر مبہم شعور کے بغیر قومی یک جہتی اور ہم آہنگی کا خواب تعبیر کو ترستا رہ جاتا ہے۔‘‘(۴)

قاسمی انسان دوستی، وطن دوستی اور مقصد دوستی، مثلث کے داعی ہیں یہ انسان دوستی کو اسلام دوستی کے مترادف سمجھتے ہیں۔انسان دوستی تہذیبی اختلافات کی نفی کرتی ہے۔بنی نوعِ انسان، انسان دوستی کی بِنا پر ہی ایک دوسرے سے مذہبی،تہذیبی،نسلی، سیاسی اور معاشرتی اختلافات کے باوجود محبت کرتے ہیں۔ادیب اپنی تخلیق کا مواد زِندگی سے حاصل کرتا ہے۔عوامی زِندگی میں موجود بے ضابطگیوں اور بے انصافیوں کے راز فاش کرتا ہے۔عوام کے ذہنوں کو بدلنے کی کوشش کرتا ہے۔قاسمی اپنے مضمون ’زِندگی افروزی کی روایت‘ میں ادب برائے ادب کی تردِید کرتے ہوئے ادب برائے زِندگی کے پیروکار دِکھائی دیتے ہیں۔

سماجی شعور ایک حقیقت ہے ادیب زِندگی اور ماحول سے مواد حاصل کرتا ہے پھر یہی مواد ذاتی تجربات اور شخصیت میں تحلیل ہو کر دِل کش الفاظ کا جامہ پہن کر ادب میں جگہ پاتا ہے۔ان کی دُور بین نگاہ بہ یک وقت معاشرہ، تہذیب، سیاست اور مذہب پر ہے۔قاسمی کی تنقید کا تعلق فلسفہ کے جمالیاتی پہلوؤں سے بھی ہے جن کا مقصد قارئین میں جمالیاتی ذوق پیدا کرنا ہے تا کہ وہ ہر شے کے حسن و جمال سے متاثر ہو کر اپنے دِل میں کشش اور تاثیر پیدا کریں۔قاسمی کی تنقیدی نگارشات اس امر کی گواہی دیتی ہیں کہ وُہ اپنے عہد کے ادبی مسائل سے کبھی بے نیاز نہیں رہے۔ان کا تنقیدی لب ولہجہ دراصل خود اعتمادی،خوش فکری، ادبی دیانت، کشادہ نظری اور بے باکی سے عبارت ہے۔

اُردو زبان ایک متحرک قومی زبان ہے جو نہایت فراخ دِلی سے باقی ماندہ زبانوں کو اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔کسی بھی زبان کا کوئی بھی لفظ اگر اس کے مزاج کے مطابق ہے تو وہ اسے اپنا لیتی ہے۔اپنی قومی زبان کو ہمہ گیر بنانے کے لیے اسے دانش کدوں، تعلیم گاہوں میں اعلیٰ مقام دینا چاہیے۔قاسمی اپنی قوم کی نفسیاتی سے آگاہ ہیں کہ وہ احساسِ کمتری کا شکار ہے اس لیے قومی زبان یا مادری زبان کو وہ درجہ نہیں مل رہا جس کی وہ حق دار ہے۔قاسمی کے نزدیک

بچوں کو ابتدائی تعلیم ان کی مادری زبانوں یا قومی زبان میں دینی چاہیے۔ اس سے بچے تعصب یا احساسِ کمتری کا شکار نہیں ہوں گے۔ قاسمی انگریزی تعلیم کے مخالف نہیں بل کہ حامی ہیں کہ اس وقت یہی بین الاقوامی زُبان ہے اس کی تعلیم جاری رہنی چاہیے لیکن پرائمری کی سطح پر بچوں کو تعلیم اپنی زبان میں دینی چاہیے۔ قاسمی مستقبل کے نونہالوں کی ہمہ گیر تربیت و اصلاح کے خواہش مند ہیں جو طبقاتی فرق اور عدم مساوات کو ختم کرے۔ نئی نسل جو احساسِ محرومی کا شکار ہے اس کا سبب ہمارا ناقص نظامِ تعلیم ہے جو تبدیلی کا خواست گار ہے۔ قاسمی کے نزدیک سو فی صد خواندگی کے لیے نظامِ تعلیم میں سماجی تبدیلیوں اور نظامِ معیشت میں انقلاب لانے کی ضرورت ہے۔ قاسمی نونہالوں کے لیے ایسا نصابِ تعلیم مرتب کرنا چاہتے ہیں جو بچّوں کے جذبہ تجسس کو اُبھارتے ہوئے ان میں کاہلی، سستی اور ملکی دشمنی کو ختم کرے جو ان کی نفسیات کے عین مطابق ہو جو ان کو متحرک کرتے ہوئے اِنفرادی صلاحیتوں کو جلا بخشے۔ جو بچوں کو خیالی دُنیاؤں کی سیر کروانے کی بجائے حقیقی زِندگی سے متعارف کروائے۔ نہ کہ ایسی کتابیں جن کے سرورق بھوتوں، ریوالوروں اور بہتے لہو سے آراستہ ہو۔ یہ تخریبی سرگرمیاں بچوں کی اخلاقی قدروں کے منافی ہیں۔ معمولی منفعت کی خاطر پاکستان کے مستقبل کو خراب نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ بچے ایسی کتب سے مار پیٹ، قتل و غارت سیکھتے ہیں۔ بچوں کے لیے کتابیں شائع کرتے وقت اس حقیقت کو مدنظر رکھنا چاہیے کہ ان کے ذمے بچوں کی ذِہنی تعمیر ہے اس مقصد کے لیے اوّل تو براہِ راست قسم کے وعظ و نصیحت کا انداز درست نہیں دوم ہمیشہ خیر و برکت اور حسن و توازن کی قدریں ہونی چاہئیں جو بچوں کا انسان اور انسانیت کا احترام سکھا کے انھیں بہادر انسان بنائے۔ قاسمی کا آدرش ہی حق گوئی و بے باکی ہے۔ وہ بے تکلفی سے گفت گو کرتے ہوئے پوری ایمان داری سے ہر چیز کے حسن و قبح پر روشنی ڈالتے ہیں۔

اُردو ادب میں غالب کی علمی و ادبی اہمیت مسلم ہے ان کی علمی و ادبی شخصیت کو اعلیٰ فکر کی بدولت دوام حاصل ہوا۔ غالب کے فکر و فن کو ناقدینِ ادب نے مختلف زاویوں سے دیکھنے کی کوشش کی۔ غالب کا فلسفہ حیات ہو یا ذوقِ جمال، فلسفہ تصوف ہو یا نظریہ فن اس بے مثال فنی عظمت کے حامل شاعر پر ہر زاویہ سے لکھا گیا۔ قاسمی نے بھی پس الفاظ میں نو مضامین پر مشتمل مطالعہ غالب کا خصوصی مطالعہ شامل کیا۔ قاسمی نے غالب کے فکر و فن پر مشتمل نو مضامین بعنوان 'غالبِ خستہ کے بغیر' ۱۹۶۶ء، 'غالب کی صد سالہ برسی' ۱۹۶۸ء، 'پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے؟' ۱۹۶۷ء، 'جیتا جاگتا غالب، فکر و فن کا امزاجِ غالب' ۱۹۶۸ء، 'غالب کی حسرتِ تعمیر'، 'غالب کا اندازِ گل افشانی گفتار' ۱۹۷۰ء، 'غالب کی جستجوئے جمال' ۱۹۶۹ء، سخن ناشناسی ۱۹۶۸ء شامل ہیں۔ سات مضامین میں سنہ اشاعت درج ہے جب کہ دو مضامین میں تاریخ و سنہ اشاعت درج نہیں۔ ان مضامین کی مرتب منصورہ احمد کے خیال میں یہ مضامین غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر لکھے گئے۔ قاسمی غالب سے بہت متاثر تھے اس کی مسلمہ ثبوت محولہ بالا مضامین اور فنون کا غالب نمبر ہے۔ اس نمبر میں غالب کے فکر و فن پر مبسُوط مقالات تحریر کروانے کے علاوہ غالب کی زمین میں معروف شعرا سے غزلیں لکھوا کر فنون میں شامل کیں۔ فنون کے غالب نمبر میں غالب کی نثر بالخصوص مکاتیبِ غالب کو بھی شامل کر کے نمبر کی افادیت میں دو چند اضافہ کیا۔ غالب اُن کا پسندیدہ موضوع تھا۔ وہ اپنے اکثر مضامین و مقالات میں دیوانِ غالب کی مثالیں دیتے اکثر و بیشتر غالب کے اشعار گنگناتے اور مسرور ہوتے۔ قاسمی کے خیال میں غالب کے فن کا بنیادی مقصد فکری جمود کی

مکمل طور پر بیخ کنی کرنا تھا جو مسلمانانِ برِعظیم کے ذہنوں پر سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے بعد مسلط ہو چکا ہے۔ غالب باشعور شاعر کی طرح ماضی کے تجربات سے استفادہ کرتے ہوئے مستقبل کو اپنے تمام معیاروں کے مطابق ڈھالنے کی سعی کرتے۔ دراصل غالب اپنی شاعری کے ذریعے قارئین کو فکری جمود سے باہر نکال کر حیات و کائنات کے مسائل پر غور و فکر کی دعوت دیتے۔ قاسمی 'فکر و فن کا بے مثال امتزاج۔۔۔غالب' میں غالب کے فکر کا باریک بینی سے جائزہ لیتے ہوئے شعر کو فکر اور فکر کو نثر کا جامہ پہنانے کی مثالیں بھی پیش کرتے ہیں۔ شاعر کی تخلیق پر ماحول کے گہرے اور دیرپا اثرات ہوتے ہیں۔ غالب کے دور کا رُجحان صُوفیانہ تھا اس لیے غالب کی شاعری میں بھی صُوفیانہ عناصر اور مسائلِ تصوف کا بیان دِکھائی دیتا ہے۔ غالب کا فکر زِندگی کی صداقتوں پر مشتمل ہے۔ لکھتے ہیں:

''غالب کا فکر......صرف منطقی مُوشگافیوں پر اِکتفا نہیں کرتا۔ اس کا فکر حقیقت اور صداقت سے ربط قائم رکھتا ہے۔ یوں غالب کا فکر زِندہ فکر ہے کیوں کہ وہ زندگی کا فکر ہے......ایسے زِندہ فکر سے آراستہ ہو کر سچ مچ کا شعر کہنا اِکا دُکا شاعروں ہی کا کام ہے۔ یہ ایسی آزمائش ہے جس میں بھی بعض اوقات اقبال تک پورا نہیں اُترتا۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ اقبال ایک پیغام کا ایک مشن کا شاعر ہے اور غالب صِرف شاعر ہے۔''(۵)

قاسمی متذکرہ بالا امور کا سنجیدگی سے جائزہ لیتے اور انھیں ثابت کرنے کے لیے اُنھوں نے اشعار درج کیے جن سے غالب ہماری قومی تہذیب کی متاعِ عزیز ہیں۔ قاسمی غالب کے متعلق لکھتے ہیں:

''......وہ ہماری تہذیب کا سرمایہ افتخار ہیں۔ آج ہماری تہذیب و فن کے چہرے پر جو وجاہت اور نکھار ہے، اس میں غالب کی نظم و نثر اور اس کی شخصیت کی لطافت کا بہت بڑا حصہ ہے۔''(۶)

قاسمی نے غالب کے فکر و فن اور عظمت کی دھاک لوگوں کے دِلوں میں بٹھانے کے لیے اُردو اور فارسی اشعار اور قصائد کا حوالہ بھی درج کیا جو قاری کے ذہن پر خوش گوار تاثر چھوڑتے ہیں ساتھ ساتھ قاری قاسمی کے سنجیدہ عمیق نظر، مُطالعہ فکر اور مقالات کی داد بھی دیتا ہے۔ 'جیتا جاگتا غالب' اور 'غالب کا اندازِ گل افشانیِ گفتار' میں تکرار کا عنصر غالب ہے اس میں بعض جگہ تو اقتباسات من و عن پیش کیے ہیں اور بعض جگہ غالب کے اشعار کو قاسمی نے اپنے نثری الفاظ میں پیش کِیا۔ قاسمی نے غالب کو اُردو کا پہلا خردمند اور صاحبِ دانش شاعر قرار دیا ہے۔ قاسمی نے محولہ بالا مضامین کے ذریعے غالب کے حضور نذرانہ عقیدت و محبت پیش کیا۔ غالب کے فکر و فن سے متعلق قاسمی کے خیال افروز اور فکر سے اپنا چراغ روشن کر سکیں۔ غالب فہمی میں قاسمی کا ایک اہم کارنامہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے اپنے جمالیاتی نقطہ نظر سے غالب کی متخیلہ کو تجزیے و تحلیل سے گزارا ہے۔ قاسمی کے خیال میں فکرِ غالب کی بصیرت کا کرشمہ ہے کہ اُردو کو آزادی نصیب ہوئی۔ اسے ایک کھلی فضا ملی جہاں جمالیاتی تجربات میں تہہ داری پیدا ہوئی۔

اُردو ادب میں اقبال اور ذکرِ اقبال اہم موضوع کی حیثیت رکھتا ہے۔ اقبال مفکر و شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ مسلمان قوم کے رہنما، مستقبل شناس، بلند فکر و نظر کے حامل انسان تھے۔ قاسمی کلامِ اقبال کے مدّاح تھے وہ اقبال کو غیر فانی

شاعر قرار دیتے۔ اس شاعر نے ملتِ اسلامیہ کو خودی کا درس دیا۔ بچپن میں ہی قاسمی کو کلامِ اقبال سے رغبت ہوگئی تھی اس کا محرک اوّل یہی ہے کہ قاسمی کے چچا نے انھیں زمانہ طفلی میں ہی اقبال کے فارسی و اُردو کلام سے متعارف کروایا انھیں اقبال کے اشعار یاد کروانے اور خود بھی کلامِ اقبال ترنم سے پڑھتے۔ کلامِ اقبال سے پسندیدگی کی وجہ سے قاسمی نے اقبال کی صد سالہ برسی پر نومبر ۱۹۷۷ء میں مجلس ترقی ادب لاہور سے اپنی کتاب علامہ محمد اقبال (۱۸۷۷ء— ۱۹۳۸ء) شائع کروائی۔ یہ اپنی نوعیت کی منفرد کتاب تھی جس نے چند صفحات میں ہی اقبال کی شخصیت اور فکر کو چند صفحات میں سمیٹ کر رکھ دیا۔ مثلاً اس میں اقبال کے آبا و اجداد کا شجرہ نسب، اسلاف، ولادت، تعلیم، شہرت، تعلیمی سفر، اعزازات، عملی سیاست، لیکچرز، دو قومی نظریہ، گول میز کانفرنس، عزلت گزینی، بیماری و وصال، مزارِ اقبال، شخصیت و کردار، اولاد، تصانیف، نظریہ حیات، تصورِ خودی کے متعلق تفصیل سے اظہارِ خیال کیا۔ پیشِ نظر کتاب کے لفظ لفظ سے اقبال کی شاعرانہ عظمت کے معترف ہونے اور عقیدت مند ہونے کا والہانہ اظہار ملتا ہے۔ کتاب کو جاذبِ نظر بنانے کے لیے جا بہ جا تصاویر پیش کی گئی ہیں جس میں اقبال کے والد گرامی شیخ نور محمد اقبال کی والدہ محترمہ، آبائی گھر، مسجد مولوی میر حسن، عہدِ شباب، عطیہ فیضی، ہائیڈل برگ (جرمنی) میں رفقا کے ساتھ تصاویر، ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے، ٹیپو سلطان کے مقبرے پر، مسجدِ قرطبہ، جاوید منزل، سیّد سلیمان ندوی، سر راس مسعود کے ساتھ آخری آرام گاہ غرض اقبال کے بچپن سے وفات تک کی تصاویر پیش کی گئی ہیں۔ شاعر، مفکر اور مصلح اقبال نے اپنی حکیمانہ شاعری کے ذریعے مردہ قوم میں نئی زندگی کی رُوح پیدا کی۔ قاسمی نے فکرِ اقبال میں نظریہ خودی، مردِ مومن، نظریہ خیال کو اساسی اہمیت دی۔ اگرچہ ان موضوعات پر دیگر مصنفین نے بھی اظہارِ خیال کیا لیکن قاسمی کی انفرادیت یہ ہے کہ اُنھوں نے ان موضوعات کو خالصتاً ایک پاکستانی مدبّر کی حیثیت سے دیکھا ہے:

> ''اقبال کا یہی وہ زندگی افروز پیغام تھا جو ہمارے دلوں میں اُتر کر خون کے ساتھ گردش کرنے لگا۔ مُدتوں کی سوئی ہوئی قوم جاگ اُٹھی۔ وُہ غلامی کا جوا اپنے کندھوں سے اُتار کر آزاد ہوگئی اور طاقت و حکومت کی مالک بن گئی۔ پاکستان اسی خواب کی تعبیر ہے۔''(۷)

تعلیم ادب اور ادب و فن کے رشتے میں قاسمی کا مضمون 'نصابِ تعلیم میں سے اقبال کا اخراج' اور پس الفاظ کے مضمون 'اقبال اور ہمارا نصابِ تعلیم' میں تکرار ملتی ہے صرف مضمون کا عنوان تبدیل ہے۔ موادِ مضمون یکساں ہے۔ علاوہ ازیں قاسمی نے اپنی تنقیدی کتاب معنی کی تلاش میں اور 'خصوصی مطالعہ اقبال' میں درج ذیل مضامین پیش کیے ہیں جو شعور و آگہی کے در وا کرتے اور تحقیق و تنقید کی نت نئی جہات سے روشناس کرواتے ہیں۔

'اقبال کے ساتھ انصاف کیجیے'۔ 'اقبال اور ہمارا نصابِ تعلیم'۔ 'عہد ساز اقبال'۔

'اقبال کا نظریہ شعر'۔ 'اقبال کی ایک نظم ...... شمع و شاعر'۔ 'اقبال بحیثیت شاعر'۔ 'پورا اقبال'۔

قاسمی نے مذہب، سیاست اور ثقافت کے مسائل کو جب موضوع بنایا تو اسے فکرِ اقبال کی روشنی میں دیکھا۔ اقبال ہمارے اَدب اور پاکستانی تاریخ کی وہ اہم کڑی ہے جو ماضی کو حال سے اور حال کے ساتھ ساتھ مستقبل کو بھی اپنی گرفت میں رکھتا ہے اقبال اپنی قوم کے نبّاض ہیں جو انسان کو چھینا ہوا وقار واپس دلانا چاہتے ہیں جنھیں آزادی،

اولوالعزمی، جدّ وجہد، جستجو اور عدل سے محبت سے جومحکومی، انفعالیت، شکست خوردگی، تقدیر پرستی اور بے انصافی سے نفرت کرتے ہیں۔ اقبال نے اپنے نظریات کو انگریزی، اُردو، فارسی زبان میں پیش کیا۔ قاسمی نے اقبال کی فکر افروز شاعری کا ذوق وشوق سے مُطالعہ کیا۔ انھوں نے فکرِ اقبال پر اپنی آرا نڈر اور کھرے انداز اور اَدبی دیانت داری سے پیش کی۔ ان کی ناقدانہ صلاحیت اتنی ہمہ گیر ہے فن پارے کی گہرائی تک اُتر جاتے ہیں۔ قاسمی، اقبال کی حمایت میں اپنے افکار وخیالات کو الفاظ کا جامہ یوں پہناتے ہیں:

> ''آج نصف صدی بعد مغرب کے اہل دانش کے لیے اقبال اجنبی نہیں رہا اور وہ یہ سوچ کر حیران ہو رہے ہیں کہ اُس دور میں جب جنوبی ایشیا برطانوی استعمار کی شدید گرفت میں تھا، یہ خود آگاہ شاعر، یہ خودنگر مفکر اور یہ عالم گیری سے کائنات گیری کی طرف بڑھنے والا جری دانش ور پاکستان کے اُس گوشے سے کیسے نمودار ہُوا جسے سیال کوٹ کہتے ہیں۔''(۸)

قارئین اَدب کے سامنے اقبال مختلف حیثیتوں سے جلوہ گر ہوتے ہیں کبھی وہ ترقی پسند ہیں کہیں وہ مبلغ اسلام، کہیں پیام بر ہے کہیں صُوفی، کہیں رومی کا مقلد، فکرِ اقبال کا ہر پہلو قابل احترام ہے۔ قاسمی نے اقبال کی شخصیت وفن کا جائزہ لے کر کلامِ اقبال کے اہم ترین رجحانات کو واضح کیا۔ اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کے لیے اقبال کے اشعار کے ساتھ ساتھ اس کی تشریح بھی مدلل انداز میں کی۔ اقبال سے مرعوبیت کا یہ نتیجہ ہوا کہ قاسمی کے فکر پر بھی اقبال کے اثرات نمایاں دِکھائی دینے لگے۔ شمس الرحمٰن فاروقی لکھتے ہیں:

> ''ندیم صاحب کی بڑی صفت یہ تھی کہ اُن کے تخیل میں کُچھ اس طرح کی آسمان گیری ہے جو اقبال کی یاد دِلاتی ہے اور اقبال ہی سے متاثر معلوم ہوتی ہے۔''(۹)

قاسمی، اقبال سے بہت متاثر ہے۔ ۲۸ جون ۱۹۷۳ء میں عبدالمجید سالک کے ہمراہ اقبال کے دولت کدے پر حاضر ہوئے۔ انھوں نے اپنے ایک مضمون 'ڈاکٹر اقبال سے پہلی اور آخری ملاقات' میں اپنے احساس وتاثرات کا اظہار کیا ہے۔ مضمون کی ابتدا میں لکھتے ہیں:

> ''میں مرتے دم تک اس بات پر فخر کروں گا کہ زِندگی میں ایک بار تو میرے ہاتھ اقبال کے ہاتھوں سے مَس ہوئے تھے۔ زِندگی میں ایک بار تو میں نے اُس جلیل القدر فلسفی کو جی بھر کر دیکھا۔ زِندگی میں ایک بار تو اس منبعِ حکمت سے کسبِ فیض کیا۔''(۱۰)

احمد ندیم قاسمی نے قرۃ العین حیدر کے ناول میرے بھی صنم خانے پر عمدہ تبصرہ کیا ہے۔ کہیں وہ ناول کے کرداروں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں کہیں مصنفہ کو محنت کی نصیحت کرتے ہیں۔ سائنٹفک انداز اختیار کرنے کا مشورہ دیتے۔ کہیں زُبان وبیان کی تعریف کرتے۔ قاسمی کی اعتدال پسندی تنقید میں واضح ہے جہاں اختلاف کی گنجائش ہوتی ہے وہاں بے لاگ تنقید کرتے ہیں اور جہاں اتفاق کرنے کا معاملہ ہو وہاں پوری دیانت داری کے ساتھ فن پارے کی تحسین کرتے، فن اور فن کار کی قدروں کے تعین میں جذباتیت کا شکار ہوئے بغیر نہایت معتدل انداز سے کوتاہیوں اور خوبیوں کو اُجاگر کرتے ہیں۔ مثلاً:

''اس ناول میں ایک بالکل نئے اُسلوب کا تجربہ کیا گیا ہے۔قرۃ العین حیدر بات کہتے کہتے کہنے والے کی شخصی حالت کو بریکٹ میں لکھ دیتی ہیں۔یہ طریق کار اکثر کامیاب رہا ہے مگر کہیں کہیں بور ہونے لگتا ہے۔خصوصاً اس وقت جب بڑے زور کا معاملہ جاری ہو اور درمیان میں ایک دم بریکٹ شروع ہو جائے۔''(۱۱)

پیشِ نظر ناول کا شمار چند عمدہ ناولوں میں ہوتا ہے۔قاسمی اس ناول کو قابلِ ستائش سمجھتے ہیں کہیں کہیں کوتاہیوں پر نظر ثانی کا مشورہ دیتے ہیں۔کہیں مصنفہ کی بالغ نظری، وسعتِ مطالعہ، شعور، فکر اور اختراعی ذہن کی داد دیتے ہیں لیکن مجموعی طور پر اُن کے فن کو سراہتے ہیں کیوں کہ یہ ایک فن کارانہ تاریخ ہے۔

غزل کے حسن و دل کشی میں اکثر قارئین گرفتار ہیں لیکن غزل کے دور میں عمدہ نظموں کے ذریعے بھی شاعری کو مزین کرنا چاہیے۔قاسمی نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور انھیں باور کرواتے ہیں کہ غزل اور نظم اپنی اپنی جگہ اہمیت کی حامل ہے لیکن جن شعرا کا طبعی رجحان نظم کی جانب ہے اُن کو نصیحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہمارے شعرا کو یقیناً نظمیں بھی کہنا چاہئیں اور ضرور کہنا چاہئیں......آج بھی بعض غیر فانی نظمیں کہیں گئی ہیں اور کہی جا رہی ہیں۔اگر آپ نظم کہنا چاہتے ہیں تو غزل سے زُبان کے انداز اور بیان کے تیور ضرور سیکھیے مگر غزل کے رُعب میں نہ آیئے۔''(۱۲)

ادب اور زِندگی کا آپس میں گہرا رِشتہ ہے۔اگر غور کیا جائے تو دُنیا بھر کے اَدب میں زندگی اس کے مقاصد کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔کلاسیکی اَدب میں تخلیق کاروں نے اپنے شعور و آگہی سے معاشرے میں فرد کی اہمیت کو واضح کیا۔اس طرح ہر ماضی کا ادب، آنے والے دور کے ادب کا پیش رو ٹھہرتا ہے۔ادب اور زِندگی کے باہمی رِشتے کو سمجھنے کے باعث ہی مختلف تحریکات جنم لیتی ہیں۔جو ادب معاشرتی عناصر کے ملاپ سے لکھا جاتا ہے وہی زِندہ رہتا ہے ایسا ادب ہی معاشرے کی تعمیر و تشکیل میں نمایاں کردار ادا کرتا ہے۔اگر کسی تخلیق میں گرد و پیش کی زِندگی پوری طرح نمایاں نہیں ہو سکی تو وُہ تخلیق زیادہ دیر زِندہ نہیں رہ سکتی۔کیوں کہ ادب کا کام کاج تخلیقِ حسن کے ساتھ ساتھ زِندگی کے حقائق کی عکاسی بھی ہے۔ادب زندگی، معاشرے اور تہذیب کا ترجمان ہے۔

مجید امجد بیسویں صدی کے معروف شاعر ہیں۔مجید امجد کو حیرت کا شاعر کہا جاتا ہے۔قاسمی کہیں انھیں حیرت سے پیدا ہونے والی جستجو کا شاعر قرار دیتے ہیں تو کہیں مظلوم انسانوں کی آواز سُننے والا شاعر قرار دیتے ہیں:

''اہلِ ذوق کی لوحِ دل پر مجید امجد کا نام ہمیشہ کے لیے نقش ہو چکا ہے کیوں کہ وہ ایک ایسا شاعر تھا جس کے ذوقِ جستجو نے مرتے دم تک ہتھیار نہ ڈالے اور جو دمِ آخر تک دردوں، کربوں، انتہائیوں اور ویرانیوں سے بڑی پامردی کے ساتھ پنجہ آزما رہا۔وہ ٹوٹ ٹوٹ کر مر گیا مگر اپنے آپ کو سمیٹے رکھا۔وہ اُجڑ اُجڑ گیا مگر شادابی اور آسودگی پر اُس کا ایمان متزلزل نہ ہوا۔''(۱۳)

قاسمی نے اپنے مضمون 'غزل کی تجدید کا مسئلہ' میں غزل کے اوصاف کا جائزہ لیتے ہوئے قدیم و جدید غزل کے فرق کو واضح کیا۔قدیم دور کی غزل حسن کی تحسین اور عاشق کی آہ و بکا، غرض معاملاتِ حسن و عشق پر موقوف تھی لیکن دورِ

حاضر کی غزل تمام معاملاتِ زندگی و کائنات کو سلیقہ سے سمیٹے ہوئے ہوئے ہے۔قاسمی فراق کی غزل کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جو لوگ شاعری کی صحت مند تجدید کے منکر ہیں وہ صرف فراق کی غزل کو دیکھ لیں کہ اس میں میرؔ کی نرمی بھی ہے، غالب کا فکر بھی ہے، مومن کی رنگینی اور لمس کی گرمی بھی ہے، اقبال کی جارلی کیفیت بھی ہے، سیاست بھی ہے اور آج کے ترقی یافتہ انسان کی نفسیات کی تصویر کشی اور نقاشی بھی ہے اور وہ جذبات بھی جو صرف بیسویں صدی میں رہنے والے انسان کے ذہن ہی میں اُبھر سکتے ہیں۔''(۱۴)

اُردو غزل ایک منضبط صنف سخن ہے اگر اس صنفِ سخن میں بہت تبدیلیاں آئیں مثلاً اُسلوبِ اظہار میں، لفظیات میں، لفظوں کی معنویت میں، علامتیں، پیکر سب تغیرات کی زد سے نہ بچ سکا لیکن باعثِ افتخار امر یہ ہے کہ غزل کی ہیئت وہی ہے جو ولیؔ کے دور میں موجود تھی۔اُردو غزل اگرچہ قارئین اَدب کی دِلچسپی کا محور رہی ہے دیگر اصنافِ سخن کی موجودگی کے باوجود اس کی پسندیدگی میں کمی واقع نہیں ہوئی۔اس کی وجہ غزل کا منفرد لہجہ۔محاکات نگاری، رمز وایما، تشبیہ و استعارہ، پیکر تراشی اور دل آویز بحروں کا استعمال ہے۔قاسمی غزل کی تعریف میں دیگر ناقدینِ ادب کی آرا بھی شامل کرتے ہیں۔

قاسمی شاعر تھے اس لیے اُن کا شاعرانہ احساس، تنقید جیسے خشک صنفِ سخن میں بھی موجود ہے۔ان کے انداز میں شادابی ورعنائی ہے عبارت غنائیت اور کیف سے لب ریز ہے۔جملوں میں ترنم ہے جب کہ اندازِ نگارش رنگینی اور نکھار کا حامل ہے۔ان کا شاعرانہ خیال فن پارے کا سائنٹفک تجزیہ کرنے کی بجائے شاعر کے تجربے اور تاثر کو چھونے کی اہمیت پر زور دیتا ہے ان کے اظہار کے سانچوں میں شاعرانہ لطف، رنگینی اور بانکپن موجود ہے وہ تنقید میں شاعرانہ رنگینی سے کام لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جب معاشرے میں جذبات کی آتش زنی انتہا پر پہنچ جائے تو فقیروں کو شبنم افشانی کے کام سے روکنا نہیں چاہیے۔اگر یہ شبنم افشانی چند چنگاریوں کو بھی بجھا سکے تو یہ بھی کوئی معمولی کام نہیں۔''(۱۵)

قاسمی اپنے مفہوم کی وضاحت کے لیے کہیں تنقید جیسے خشک میدان کو شعر وشاعری کے استعمال سے رنگین بناتے ہیں مثلاً بعض اوقات موقع ومحل کی مناسبت سے دیگر شعرا کے اشعار کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔کہیں وہ وضاحت طلب مشکل الفاظ کا مفہوم بھی قوسین میں بیان کرتے ہیں تا کہ قاری کو لغت دیکھنے کی ضرورت نہ محسوس ہو۔کہیں اشعار کا برمحل استعمال کرتے ہیں واقعہ ولطائف سے مضامین کو سجاتے ہیں۔

قاسمی کی تنقیدی تحریروں میں تکرار کا عنصر غالب ہے ایک ہی مضمون کو تین تین بار پیش کیا ہے یہاں تک کہ کبھی کبھی الفاظ اور مضمون کا عنوان بھی تبدیل نہیں کیا۔یہ خامی اُن کی تنقیدی کتب میں کھٹکتی ہے۔قاسمی کو بھی بخوبی اس امر کا احساس تھا لکھتے ہیں:

''قارئین سے میں بطورِ خاص معذرت خواہ ہوں کہ انھیں میری ہی لکھی ہوئی بعض باتیں دوبارہ

پڑھنا پڑیں۔"(۱۶)

قاسمی ایک منفرد تنقید نگار ہیں جنھوں نے اُردُو اَدَب کی دیگر اصنافِ سخن میں مقام حاصل کرنے کے بعد تنقید میں بھی اپنی انفرادیت کو قائم رکھا۔قاسمی کی تنقید میں درج ذیل انفرادی پہلو دِکھائی دیتے ہیں:

۱- ان کی تنقیدی آرا پختہ ہیں جو وُسعت مُطالعہ، روشن خیالی، ملکی و قومی قدروں سے بھرپور ہیں۔
۲- یہ نسلِ نو کے اہلِ قلم کے متعلق پُراعتماد رویّہ رکھتے ہوئے اظہارِ خیال کرتے ہیں۔
۳- یہ تنقیدی افکار رشحاتِ فکر کا نتیجہ ہیں۔
۴- قاسمی کی ناقدانہ تحریریں اَدبی مسرت کا سامان فراہم کرتی ہیں۔
۵- قاسمی کی تنقید میں روشن نظری، وطن دوستی، علم پرستی، اعلیٰ اقدار سے وابستگی اور خیالات کی گہرائی کا اظہار نمایاں ہے۔
۶- ان کا تنقیدی فکر ترقی پسندانہ افکار اور اَدبی شعور کا آئینہ دار ہے۔
۷- ان کا تنقیدی وعصری شعور بیدار ہے جس کی بنا پر بصیرت افروز مضامین پیش کیے ہیں۔
۸- اَدب وثقافت اور فنونِ لطیفہ کے مختلف پہلوؤں پر فنی وعلمی مضامین قلم بند کیے ہیں۔
۹- قاسمی نہایت سادگی اور عام فہم انداز میں بات کرتے ہیں کہ پڑھا لکھا انسان اُن کی تحریروں سے مستفید ہو سکتا ہے۔
۱۰- انگریزی الفاظ کے استعمال پر معذرت کا اظہار کرتے ہیں۔
۱۱- نظری وعملی تنقید فن کار کے فکر وفن کی قدر کا تعین کرتی ہے۔
۱۲- قاسمی موضوع سے متعلق قاری کے ذہن میں دلچسپی پیدا کر دیتے ہیں۔

قاسمی کی تنقید ترقی پسندی، رومانی اور تاثراتی انداز کی حامل ہے۔اگرچہ اُن کے ہاتھ میں ناقد کا قلم تھا لیکن سینے میں فن کا حساس دِل بھی دھڑکتا تھا۔تنقید کی زُبان اگرچہ تخلیق سے مختلف ہے لیکن اُن کا تخلیق کار بعض اوقات نقّاد پر غالب آ جاتا ہے جو لفظ و معنی کے حسن میں اضافے کا موجب بنتا ہے۔انھوں نے اس ضمن میں بصیرت افروز نِکات پیش کیے۔وہ آزادیِ فکر اور آزادیِ رائے کے قائل ہوتے ہوئے بھی تنقید کے دامن کو وُسعت عطا کرتے ہیں۔اس کی تنقید میں اَدبی شعور کارفرما ہے جسے ان کے قلم نے آب ورنگ اور شگفتگی عطا کی ہے۔قاسمی کی تنقید اُردو کی تنقید کی روایت میں ایک اہم مقام رکھتی ہے ان کی تنقیدی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔کیوں کہ قاسمی وسیع تجربے کے حامل تنقیدی بصیرت کے مالک، دُوررس نگاہ رکھنے والے، اعلیٰ ذوقِ سلیم کے مالک تھے۔ان کی دیگر ادبیات پر بھی نگاہ تھی۔یہ روحانیت و اخلاقیات کے اُصول و اقدار کو انسانیت کی ترقی کی راہ پر گامزن رکھنے کے خواہاں تھے۔قاسمی اپنے نقطہ نظر کو پُرتاثیر انداز میں پیش کرتے ہیں جس سے تحریر دِل میں گھر کر جاتی ہے اور تنقید کی خشکی کا بھی چنداں احساس نہیں ہوتا۔ان کا اولین مقصد تنقید جیسے میدان میں دِل کشی اور رعنائی پیدا کرنا ہے۔قاسمی کے تنقیدی مقالات جو زُبان واَدب اور تہذیب وثقافت سے روشناس کرنے کے ساتھ ہی اہلِ فکر ونظر کو اُن کے فرائض سے بھی آگاہ کرتے ہیں یہ مضامین وسعت معلومات، انتقادی

بصیرت اور ژرف نگاہی کے اعتبار سے اُردو اَدب کے قارئین کے لیے یکساں مفید ہیں۔انھوں نے نہایت جرأت افکار کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی رائے کو مدلل انداز میں بیان کیا ہے۔انھوں نے کسی نظریے پر آنکھیں بند کر کے یقین نہیں کیا بلکہ خود اپنی تنقید کی کسوٹی پر پرکھ کر واضح رائے قائم کی ہے۔یہ فکر انگیز مضامین قاری کو دعوت مطالعہ دیتے ہیں۔اگر چہ قاسمی نے بعض مضامین میں اختصار کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔اختصار کو ملحوظ رکھنے سے انقباض کا خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ کہیں تشنگی کا احساس نہ ہو قاسمی اختصار کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے حقائق کو بیان کرتے ہیں۔

احمد ندیم قاسمی نے تنقیدی کتب کے علاوہ مختلف سیمینار، کانفرنس میں مضامین پڑھے جو تا حال کتابی صورت میں شائع نہ ہو سکے ان مضامین میں علم وفکر، مُطالعہ، محنت، سنجیدگی موجود ہے اگر چہ شروع سے آخر تک وفاداری کے ساتھ ترقی پسند تحریک سے وابستہ رہے لیکن انھوں نے ترقی پسند تحریک کے نظریات سے وابستہ نظریاتی تنقید نگاری کے اُصولوں کو مکمل طور پر نہیں اپنایا۔وہ ادب برائے زندگی کے قائل تھے لیکن ادب برائے حوصلہ شکنی کے قائل نہ تھے۔اس نظریے کا عملی ثبوت ان کے سیکڑوں دیباچوں میں ملتا ہے۔اگر کوئی نو وارد ادیب، شاعر کی کتاب کا دیباچہ لکھنے کی گزارش کرتا تو قاسمی اس کی حوصلہ افزائی کرتے۔

قاسمی کی تنقید کا مقصد ہی یہ ہے کہ ایسا اَدب تخلیق کیا جائے جو معاشرے کو حسن وخوبی عطا کرنے کے ساتھ ساتھ توانا بھی بنائے۔وہ زندگی کے حقائق سے باخبر رہنے کو تخلیقی قوت کا رہنما قرار دیتے ہیں۔قاسمی تمام انسانی رویوں کو معاشرتی صورتِ حالات اور انسانی صُورتِ حالات کے پس منظر میں دیکھتے ہیں۔قاسمی چاہتے ہیں کہ فن کار معاشرتی انصاف کے مقصد کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھے اور اپنے ہر عمل کو با مقصد بنائے۔جس فن کار کی تخلیق میں تخلیقی عمل با مقصد ہو گا وہ معاشرے کے ارتقا میں معاشرتی انصاف اور معاشرتی اقدار کو پوری طرح جلوہ گر دیکھے گا اور عدل وانصاف، قانون کی بالا دستی، اخلاقیات کو اپنی تنقیدات میں سموئے گا۔

حساس تخلیق کار اپنے عہد اور عصر سے لاتعلق نہیں رہ سکتا۔لہٰذا احمد ندیم قاسمی کی تحریروں میں جو عصری شعور تخلیق کے راستے در آیا ہے وہ اُن کی تنقید میں بھی واضح نظر آتا ہے انھوں نے جس طرح اپنے عہد کو سمجھا اور اسے مختلف زاویوں سے اور پہلوؤں سے دیکھنے کی کوشش کی اس کی ایک نمایاں صورت ان کی تنقید میں بھی نظر آتی ہے۔پیشِ نظر مقالات میں معنی کا جہان پوشیدہ ہے جس میں معنی ومفہوم کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہے ان مضامین کے مطالعہ سے قاسمی کی دانش افزا معلومات فکر انگیز دانائی اور دانش وفراست کے در وا ہوئے ہیں۔اُنھوں نے جن مسائل پر قلم اُٹھایا وہ اس یقین کے ساتھ پیش کیے کہ انھیں حل کرنے کی بھی کوشش کی جائے گی۔محولہ بالا مقالات کا مطالعہ ان کے وقیع محاسن کو بھی عیاں کرتا ہے۔ قاسمی کے ہمہ جہت تنقیدی شعور کے منظر نامے میں تاریخی شعور اور عصری شعور کا امتزاج ملتا ہے۔وہ کسی بھی اَدب پارے کے مطالعے میں اس کے دور اور اس کے دور کے سیاسی، معاشرتی عوامل کا بھی جائزہ لیتے ہوئے اپنے تنقیدی نتائج پیش کرتے ہیں۔قاسمی اگر چہ خود کو از راہِ احتیاط وانکسار محض افسانہ نگار، شاعر، کالم نویس اور مدیر ہی کہلوانے پر مُصر ہیں لیکن انھوں نے جس لگاؤ اور خلوص سے تنقید نگاری کا فریضہ سرانجام دیا وہ اُردو ادب سے اُن کی گہری اور سچی وابستگی کی دلیل ہے۔وہ بیسویں صدی کے ایسے مقبول ادیب ہیں جو تخلیق وتنقید دونوں اصناف میں بھر پور قوت کے ساتھ موجود ہیں۔قاسمی

ایک ایسے نقّاد ہیں جن کا اصل فریضہ انکشافِ حقیقت ہے قاسمی نے انسانی زِندگی، اُردُو اَدب میں انکشافِ حقیقت کا فرض اتنی خوش اُسلوبی سے ادا کیا ہے کہ وہ ناقدینِ اُردو ادب کی صف میں بھی کامیاب نظر آتے ہیں۔ قاسمی کی تنقیدی کتب اُن کے فکر وفن کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔ قاسمی جن موضوعات پر لکھتے ہیں اگر چہ اُن کا انداز تاثراتی یا تجزیاتی بھی ہوتا ہے وہ مشکل مسائل کی گرہیں کھولتے چلے جاتے ہیں۔ اُن کے تنقیدی افکار قاری پر دیرپا اثرات مرتّب کرتے ہیں۔ قاسمی بالعموم قاری کو اپنا ہم خیال بنانے میں کامیاب رہتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ احمد ندیم قاسمی، دیباچہ: تہذیب و فن، (لاہور: پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساؤنڈ، ۱۹۷۸ء)

۲۔ احمد ندیم قاسمی، پس الفاظ، (لاہور: اساطیر پبلشرز، ۲۰۰۳ء)، ص۱۰

۳۔ احمد ندیم قاسمی، معنی کی تلاش، (لاہور: اساطیر پبلشرز، ۲۰۰۳ء)، ص۹۲

۴۔ ایضاً، ص۱۱۰

۵۔ ایضاً، ص۴۱

۶۔ منور ملک، پس تحریر، (لاہور: بک مارک ٹمپل روڈ، ۱۹۹۳ء)، ص۳۷

۷۔ احمد ندیم قاسمی، علامہ محمد اقبال، (لاہور: غالب پبلشرز، ۱۹۷۷ء)، ص۵۹

۸۔ ایضاً، ص۹۷

۹۔ شمس الرحمٰن فاروقی، قاسمی صاحب، مشمولہ: ندیم نامہ، مرتبہ: اسلم فرخی، (کراچی: ادارہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، ۲۰۱۵ء)، ص۷۹

۱۰۔ احمد ندیم قاسمی، پس الفاظ، ص۱۰

۱۱۔ ایضاً، ص۱۲۷

۱۲۔ احمد ندیم قاسمی، معنی کی تلاش، ص۴۵

۱۳، ۱۴۔ احمد ندیم قاسمی، اک شررِ پیراہم خاشاک میں لپٹا ہوا، مشمولہ: ماہنامہ ماورا، (لاہور)، جلد۸، شمارہ ۰۵، مئی ۲۰۰۷ء، ص۲۱

۱۵۔ احمد ندیم قاسمی، دیباچہ: تہذیب و فن، (لاہور: پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساؤنڈ، ۱۹۷۵ء)، ص۱۵

۱۶۔ ایضاً، ص۱۲۳